Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

اردو شاعری میں تصور فنا کے عناصر

سید غفور
پی ایچ ڈی اسکالر شعبۂ اردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور
ڈاکٹر اظہار اللہ اظہارؔ
،چیئرمین شعبۂ اردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور

ABSTRACT

The creation of the world consists of life. If there was no life, there would be no concept of the world. It is the law of Allah that He gives life to creatures, but man knows that the concept of eternal life is just ignorance. The giant of death waits every moment of life and when the period of human physical life ends, death swallows' life. Everyone is convinced of death, but no human being is aware of its metaphysical reality.

The concepts of death and annihilation are found in the literature of every language of the world. Especially, the theme of annihilation is very prominent among Urdu ghazal poets. In this article, a research review of the elements of annihilation in Urdu poets has been presented.

روح اور بدن کے ملاپ کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور بدن سے روح کے فراق کو موت سمجھا جاتا ہے۔ موت ایک ایسا خارجی واقعہ ہے جو مستقبل میں کسی بھی لمحے زندگی سے ہمارا رشتہ دائمی طور پر منقطع کر دیتا ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ دنیا فانی ہے، جو بھی یہاں آیا ہے اسے بہر حال یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ کوئی موت کی حقیقت کو قبول کرے یا نہ کرے اس سے نظامِ قدرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ "کل من علیها فان ٥" ایسا موجبہ کلیہ ہے جس کی کلیت کا کوئی بڑا سے بڑا ملحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ البتہ موت کے بارے میں عدمیت اور دوامیت کے تصورات اپنے طور پر موجود ہیں۔ عدمیت زندگی کا مکمل اور یکسر خاتمہ ہے جب کہ دوامیت کے مطابق انسان کا عارضی دنیا سے ابدی زندگی میں انتقال ہونا ہے۔ دونوں مکاتب فکر کے حامی اپنے اپنے نظریے کے حق میں ٹھوس اور منطقی دلائل رکھتے ہیں۔ نظریہ معدومیت سے وابستہ مفکرین موت کو انسانی زندگی کا مکمل خاتمہ اور حیات بعد الموت کو جاری و ساری خیال کرنے کو محض فکری مغالطہ سمجھتے ہیں۔ وِٹگن سٹائن کے مطابق "حیات بعد الموت جیسے لفظ تب ہی ممکن ہیں جب زبان چھٹی پر چلی گئی ہو۔"(1) اس طرح فطریت پسند بھی زندگی کے تسلسل کے انقطاع کے قائل ہیں۔ وہ زندگی کے لیے ذہن اور شعور کی بندش کو لازم گردانتے ہیں۔ ان کے خیال میں نظام عصبی کی معدومیت کے ساتھ ذہن اور شعور کی معدومیت لازم ٹھہرتی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ زندگی کا یکسر اختتام ہے۔ مطلب یہ کہ جب جسمانی ساخت منتشر ہو جائے تو ذہن اور شعور کا شیرازہ بھی بکھر جاتا ہے۔ عدمیت پرستوں کا خیال ہے کہ حیات بعد الموت کے بارے میں نظریہ دراصل موت کے خوف اور جذبۂ خود ستائی کا حامل ہے اور بس۔ گویا موت کے خوف پر قابو پانے کے لیے انسان نے حیات بعد الموت کا تصور گھڑ رکھا ہے۔ اس بارے میں خالد الماس رقم طراز ہیں:

> "عدمیت کے تصور کے حامی دہریت کے موئد ہیں۔ جس طرح لا ادریت کو دہریت کے فکری دائرے سے باہر نہیں رکھا جاتا بعینہٖ موت کے مسئلہ سے پہلو تہی کرنے والوں کو بھی عدمیت کے نقطۂ نظر سے باہر نہیں سمجھا جا سکتا کیوں کہ فرار اور پہلو تہی کا راستہ اول تو صحت مند سوچ کا غماز نہیں، دوسرے حیات بعد الموت کے اقرار سے گریز

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

عدمیت کی بھیس بدلی ہوئی شکل ہے۔"[2]

دوامیت کے تصور کے مطابق موت، روح و جسم کا تعلق منقطع ہو جانے اور روح و جسم کے مابین حائل پردوں کے زائل ہو جانے اور ایک دار سے دوسرے دار کی طرف منتقل ہو جانے کا نام ہے، جہاں زندگی جاری و ساری رہے گی۔ اس نظریے کے حامی الٰہیات کے موئد ہیں۔ موت ایک منزل ہے جو خارجی واقعے کی صورت میں وقوع پذیر ہوگا۔ دنیاوی زندگی اپنے مستقبل کے سفر میں اسی منزل کی جانب گام زن ہے۔ جب زندگی کا سفر اس نقطۂ مقام پر پہنچتا ہے جہاں موت نے واقع ہونا ہے، وہاں دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی اخروی زندگی کا آغاز ہے۔ اس تصور موت میں موت خارج سے وارد ہوتی ہے جب کہ عدمیت کا تصورِ موت داخلی ہے جہاں موت اندر سے وارد ہوتی ہے۔

طبعی موت کے ساتھ ساتھ اختیاری موت کا تذکرہ بھی مفکرین اور صوفیائے کرام کے ہاں بکثرت موجود ہے۔ موتِ ابیض، موتِ احمر، موتِ اخضر اور موتِ اسود جیسی اموات کا شکار ہو کر سالک اپنی ہستی کو مٹا کر فنا ہو جاتا ہے۔

> "فنا سے مراد انسان کا اپنی حیوانی جبلت اور نفسِ امّارہ پر غالب آجانا ہے، نہ کہ جسمانی طور پر اپنے آپ کو ختم کر دینا۔ اس مفہوم میں فنا کے ساتھ ہی ساتھ بقا کا تصور بھی موجود ہے۔ یعنی انسان کی ملکوتی صفات کا بروئے کار آجانا۔ یہ دونوں داخلی حالتیں ہیں اور ساتھ ساتھ اس طرح چلتی ہیں کہ جوں جوں حیوانی جبلت کے شر وفساد کا عنصر ختم ہوتا جاتا ہے انسان کی اعلیٰ صفات اس خلا کو پُر کرتی چلی جاتی ہیں۔ اپنی حیوانی جبلت سے کٹ کر انسان الوہی صفات کے اندر بقا حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔"[3]

فنا سے ہر گز یہ مراد نہیں کہ اس سے انسان کی بشریت معدوم ہو جائے کیوں کہ بشریت کو فنا نہیں۔ البتہ بشری اخلاق و عادات میں تغیر و تبدل ممکن ہے اور وہ یوں کہ فنا فی الذات ہو کر علم سے جہالت اور قربی تعلق سے غفلت مٹ جاتی ہے۔ فنا فی اللہ ہو کر صفاتِ مذمومہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس تصور کو ہندی الاصل ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ نکلسن کا خیال ہے کہ تصوف میں فرد کا فنا ہو کر خدا میں ضم ہو جانے کا تصور میرے خیال میں یقینی طور پر ہندوستانی ہے۔ (4) محض ناموں کی یکسانیت سے مغالطہ پیدا ہوتا ہے ورنہ دونوں میں اصولی فرق موجود ہے۔ ہندو مذہب کی "فنا" صرف اور صرف فردیت کی فنا ہے جب کہ اسلامی تصوف میں فنا کے بعد بقا کا تصور بھی ملتا ہے۔ مطلب یہ کہ روحِ انسانی فنا ہونے کے بعد اللہ سے متصل ہو کر بقائے دوام حاصل کر لیتی ہے۔ ہندو عقیدے میں روح حلول کر سکتی ہے جب کہ اسلامی تصوف میں روح کی بقا روحانی ارتقا کا نام ہے۔ ایک وجود سے دوسرے وجود میں منتقلی کا نام نہیں۔ اردو شاعری میں ان اصطلاحات کو انہی مفاہیم میں برتنے کے علاوہ دوسرے کئی مفاہیم میں موت و فنا کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس مضمون میں اردو شاعری کے حوالے سے ان اصطلاحات کے پس پردہ محرکات کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کی دھرتی پر روحانیت کو پروان چڑھانے میں اولیائے کرام کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔ اس دھرتی پر روحانیت کے جس پودے کی انھوں نے آبیاری کی تھی، آج وہ ایک تناور درخت کی صورت میں یہاں کے باسیوں کو فیوض و برکات کی چھاؤں میں جگہ دے رہا ہے۔ اردو زبان کے فروغ میں بھی انھوں نے اپنا حصہ ڈالا ہے۔ کیوں کہ انھوں نے اپنی تعلیمات کے لیے اسی زبان کا انتخاب کیا اور اس طرح اردو زبان کے ابتدائی نمونے انہی بزرگانِ دین کے احوال و ملفوظات پر مشتمل ہیں۔ اردو شاعری میں فارسی زبان کے زیر اثر ان اولیائے کرام کی برکت سے اس دور کے شعرا کے ہاں مذہب، اخلاق اور تصوف وغیرہ کی بازگشت ملتی ہے۔ ان کے ہاں دنیا کی بے ثباتی، عشقِ حقیقی اور فنا و بقا کے مضامین ملتے ہیں۔ بھگت کبیر، حسن شوقی، مُلّا نصرتی اور غواصی اس دور کے نمائندہ شعرا ہیں۔ مذکورہ موضوعات سے متعلق ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

عجب کیا ہے جو پاوے تو بقا توشہ فنا کا لے
اثر تیرے ذہن کا کچھ اگر راہِ عدم پکڑے [5]

یہ ہستی موہوم مجھ دے مجھ کوں سراب
پانی کے اوپر نقش ہے یہ مثلِ حباب [6]

گر زندگی کی منج توں خبر پوچھتا ہے توں
جس زندگی کو مرگ نہیں وہ زندگی بھلی [7]

دیکھ عالم یوں دنیا کہے منزل سو ہیچ
یاں خاص سوں عقبیٰ کہے حاصل سو ہیچ [8]

اردو شاعری نے ابتدا سے تصوف کی آغوش میں پرورش پائی ہے۔ اس لیے اس پر تصوف کی چھاپ بہت گہری ہے اور ہر صنف میں تصوف کا رنگ واضح ہے۔ شاعر جس تہذیب سے وابستہ ہوتا ہے،انہی تصورات و رجحانات کی ترجمانی کرتا ہے۔برصغیر کی تہذیب میں ہر طرف تصوف کی حکمرانی تھی۔اس کی برکت سے کائنات میں بکھری جمالی اشکال باطنی ربط و تنظیم کے ذریعے ایک مرکزی ہالے میں داخل ہوئیں کیوں کہ تصوف اخلاقیات کا حامی ہوتا ہے اور اخلاق جمال ہی کا روپ ہوتا ہے اور یہی جمال تخلیق کی بنیاد ہوتا ہے۔ مثبت اقدار جمال کی ایک شکل ہیں اور ان کو فروغ دینا جمالیات کو فروغ دینے کے مترادف ہے۔اس طرح تصوف جبلت کو اخلاق بناتا ہے اور جذبے کی تہذیب کرتا ہے۔بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

> ”جن معاشروں نے جبلت کو مارنے کی بجائے اس کی تہذیب کرنے کی کوشش کی، وہاں ایک مضبوط اور دیرپا انتظامِ اخلاق نے جنم لیا۔۔۔۔ ادیب اگر اخلاقیات کا نمائندہ ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ ادب کے لیے پند و نصائح تقسیم کرنے پر مامور ہے بلکہ اس لیے کہ وہ جذبے کی تہذیب کا اہتمام کر کے خلقِ خدا کو جذبے کی بربریت اور تشدد سے نجات دلاتا ہے۔“[9]

اولین شعرا یا تو صوفی و درویش تھے اور یا ان کا تعلق صوفیانہ ماحول سے تھا جس کے سبب وہ اپنی شاعری کے ذریعے استغنا، قناعت، خوفِ خدا، بے ثباتی دنیا اور فنا کی تلقین سے تطہیرِ نفس اور صفائے قلب کی کوششوں کیں مصروفِ عمل رہے۔دبستان دہلی سے تعلق رکھنے والے شعرا کے ہاں فنا کے گہرے نقوش ملتے ہیں۔اس طرح ان کے دل عشقِ حقیقی سے سرشار ہیں اور وہ اپنی ذات کی نفی کا رجحان لیے ہوئے ہیں۔

عشق میں لازم ہے اول ذات کوں فانی کرے
ہو فنا فی اللہ، دائم یادِ یزدانی کرے [10]

آب رواں ہے حاصل عمر شتاب رو
دہر فن میں نقش نہیں ہے ثبات کا [11]

عاشق فنا میں اپنی بہبود جانتے ہیں

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

جی کا زیاں جو ہووے تو سود جانتے ہیں[12]

گر دیکھیے تو مظہرِ آثارِ بقا ہوں
اور سمجھیے جوں عکس مجھے محوِ فنا ہوں[13]

مرنا ہے خاک ہونا، ہو خاک اڑتے پھرنا
اس راہ میں ابھی تو در پیش مرحلے ہیں[14]

ہر شاعر اپنی تہذیب و معاشرت سے جڑا ہوتا ہے۔اس لیے اس کی تخلیقات کا رنگ وہی ہوتا ہے جس رنگ میں اس کا ماحول رنگا ہوتا ہے۔ جب ماحول پر سکون نہ ہو،معاشرتی شکست و ریخت ہو، تہذیب زوال آمادہ ہو،اخلاقی قدریں پست ہوں تو معاشرے اور خصوصاً اہل قلم جو نہایت ہی حساس طبیعت کے مالک ہوتے ہیں پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ شعرا زمانے کے تغیر و تبدل کا اثر جلد قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور شعرا بھی ایسے کہ جنھوں نے زمانے کے اتنے سرد و گرم دیکھے اور سہے ہوں۔جنھوں نے دہلی کے گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہتی دیکھی ہوں،جنھوں نے امرا اور فقیروں کی میت تیں اٹھائی ہوں، غربت اور تنگ دستی کے دن دیکھے ہوں تو ان کی داخلی زندگی کی محرومیاں جب خارجی اثرات سے متاثر ہوتی ہیں تو پر درد اور پر تاثیر بن جاتی ہیں۔ اس دور میں دلّی کے اردو شعرا بھی کم و بیش ایسے ہی حالات سے گزر رہے تھے۔وہ انفرادی طور پر بھی ان حالات سے دوچار تھے اور اجتماعی آلام و مصائب کا بھی گہرا احساس رکھتے تھے۔اس انفرادی اور اجتماعی درد و غم نے مل کر اس دور میں اردو شاعری کی صورت اختیار کرلی تھی۔"شعرا نے اپنے دور کی اجتماعی روح کے کرب کو اپنی تخلیقی روح میں جذب کر کے اس پہاڑ جیسے المیے کو اپنی شاعری کے آہنگ میں سمو دیا۔"[15] ان حالات کی وجہ سے بے ثباتی دنیا کا احساس ابھرا۔ غیر یقینی صورت حال نے لوگوں کے اندر جینے کی آرزو ختم کردی کیوں کہ اتنی عظیم سلطنت اور پر شکوہ حکمران جب خاک میں مل گئے تو وہ کیا حیثیت رکھتے تھے۔ اس سوچ نے فنا کا تصور ان کے ہاں مزید پختہ کردیا۔اب وہ سمجھنے لگے کہ یہ دنیا بے وفا اور باعث فنا ہے۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ان حالات کا محاکمہ کچھ یوں کرتے ہیں:

> "ہندوستان میں مغلوں کے سیاسی زوال کے نتیجے میں جو سماجی بحران پیدا ہوا وہ بے ثباتی دنیا اور فنا کے احساسات و تصورات کو بیدار کرنے کے لیے کافی تھا۔ آئے دن کی جنگ و جدل، کشت وخون، شہروں کی تباہی، بستیوں کی ویرانی،حویلیوں اور عالی شان محلوں کے جا بجا کھنڈر، سر عام راہوں پر کھوپڑیاں،ایسے دل گداز اور عبرت ناک مناظر تھے جو انسان کے قلب و ذہن پر زندگی کی ہیچ مقداری کا گہرا نقش بٹھاتے تھے اور فنا اور بت ثباتی کا احساس خواہ مخواہ پیدا ہوجاتا تھا۔ اس احساس کو جب تصوف کا سہارا بھی مل جائے تو یہ ایک اہم معاشرتی رجحان بن جاتا ہے۔"(16)

اس حوالے سے ان اشعار ملاحظہ کیجیے:

کر خانۂ گردوں پہ نظر چشمِ فنا سے
ہے شکلِ حباب اس کی پھر تعمیر ہوا پر[17]

نے گل کو ہے ثبات، نہ ہم کو ہے اعتبار
کس بات پر چمن، ہوسِ رنگ و بو کریں[18]

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا[19]

ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوک گیاہ
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے، نہ رہے[20]

پل مارتے ہی مثل شرر ہم فنا ہوئے
از بس کہ زندگانی کا عرصہ قلیل تھا[21]

جہاں میں آن کے اے سوزؔ تو نے کیا دیکھا
سوا فنا کے ہے کس چیز کو بقا دیکھا[22]

غالب اور معاصرین غالب کی شاعری میں ذاتی غم والم اور اجتماعی بے بسی کی ترجمانی کے علاوہ جو امر اس دور کی اہمیت بڑھاتا ہے وہ اس دور کی شاعری میں فلسفیانہ عنصر کی آمیزش ہے۔ تصوف کی بدولت فلسفہ شاعری میں داخل ہوا۔ تصوف نے شاعری میں انسان کی عزت نفس کا خیال پیدا کیا اور انسان کو بتایا کہ وہ کون و مکان کو تسخیر کر سکتا ہے۔[(23)] فلسفیانہ عنصر ما قبل اردو شاعری میں بھی موجود تھا۔ فلسفۂ زیست کے مسائل اس میں بھی زیر گردش تھے۔ البتہ ان کے افکار و اشعار کا رشتہ تصوف سے فلسفہ کے مقابلے میں گہرا تھا۔ ان کے ماحول کے تاثرات اور مسائلِ تصوف میں بڑی حد تک ہم آہنگی تھی، جب وہ حیات و کائنات کے مسائل پر بحث کرتے تو اس میں تصوف کا رنگ نمایاں ہوتا اور بقول غلام حسین ذوالفقار، اُس دور میں اردو شاعری کا فلسفیانہ عنصر زیادہ تر فنا و بے ثباتی، انسان اور کائنات کی ہر شے کے موہوم اور دھندلے تصور سے عبارت ہے۔[(24)]

غالبؔ اور معاصرین غالبؔ کی شاعری میں موجود فلسفیانہ عنصر ما قبل اردو شعرا کے تصور سے قدر مختلف ہے۔ یوں فنا و موت اور بے ثباتی کے ساتھ ساتھ اُن کے ہاں تصوف کے اثرات بھی کار فرما ہیں لیکن اس دور کے شعرا کو تصوف کے دامن میں پناہ لینے اور مسائل تصوف سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی، انھوں نے روایتاً تصوف کے مضامین کو برتا ضرور ہے۔ اس دور کی شاعری میں فلسفیانہ عنصر آرزو اور شکست آرزو کی کشمکش سے عبارت ہے اور اس شکست آرزو میں وہ فطری اور نفسیاتی عوامل شامل ہیں جو خوشی کے بعد غم، شباب کے بعد پیری، عروج کے بعد زوال اور عظمت رفتہ کے احساس سے عبارت ہیں۔ اس دور کی ذہنی کشمکش اور آرزو و حسرت کی آویزش کے تحت پیدا ہونے والے حالات نے تصورِ فنا و موت کو نئے زاویۂ نظر سے نظم کیا جس سے اردو شاعری کو ایک نیا مرتبہ ملا۔

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے[25]
غافل جو دم کی آمد و شد سے ہووے تو
ہر دم ہے تجھ کو سیرِ وجود و عدم نصیب[26]
پوچھے ہے اہلِ حکومت سے فلک بعد از فنا
تھا تمہارا وہ جو دورِ حکمرانی کیا ہوا[27]
عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا[28]

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خونِ دہقاں کا[29]
پر تو خُود سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک[30]

اردو شاعری میں ایک دور ایسا بھی سامنے آتا ہے جس کا اہم ترین موضوع قومی تہذیب و معاشرت ہے۔ اس دور کے شعرا کو سلطنت کے چھن جانے کا اتنا غم نہ تھا جتنا افسوس قدیم طرز معاشرت کے اختلال اور تہذیبی روایات کے زوال کا تھا۔ کیوں کہ اس کے سبب زندگی کی وہ ساری قدریں ہی تباہ ہو رہی تھیں، جو مشرق کے لیے سرمایۂ ناز اور انسانی شرافتوں کے لیے باعثِ افتخار رہیں۔ سیاسی محکومی سے بھی زیادہ ان کو اہل وطن کی ذہنی محکومی کا شدید احساس اور افسوس تھا، جو مغرب کی ظاہری چکاچوندھ سے اتنے مرعوب ہو گئے تھے کہ اپنی تہذیبی روایات اور معاشرتی اقدار کو قدیم اور جہالت کی پیداوار قرار دے کر اندھی تقلیدِ مغرب میں مگن ہو رہے تھے۔ قومی غیرت و حمیت رخصت ہو رہا تھا۔ اس دور کے شعرا کو اجنبی حکمرانوں کے تسلط و اقتدار کا اتنا شکوہ نہیں تھا، جتنا زیادہ محکوموں کے احساس مرعوبیت کے وہ شاکی تھے۔ ان شعرا میں الطاف حسین اور اکبر نمایاں ہیں۔ جنھوں نے اپنی قوم کی زبوں حالی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور محسوس کیا۔ اہلِ وطن کی بے حسی اور غلامی کو موت و فنا کے مترادف سمجھا۔ ان کی شاعری میں ان حالات کے سبب تلخی اور کہیں کہیں مایوسی بھی نظر آتی ہے:

بعدِ مرِدن کچھ نہیں یہ فلسفہ مردود ہے
قوم ہی کو دیکھیے مردہ ہے اور موجود ہے[31]

حباب آسا اٹھایا بحرِ ہستی میں جو سر اپنا
بنایا بس وہیں موجِ فنا نے ہم سفر اپنا[32]

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ
زندگی موت ہے حیات نہیں[33]

جی گئے ہم پہ رہے مردوں سے بدتر حالیؔ
دیکھ لی ہم نے طبیوں کی مسیحائی بھی[34]

اس دور میں علامہ اقبالؔ جیسے بلند پایہ اور آفاقی شاعر نے موت و فنا کے موضوع کو فلسفیانہ، صوفیانہ، نفسیاتی، اخلاقی اور معاشرتی حوالوں سے پیش کیا۔ اُن کے ہاں موت کا طبعی مفہوم ان کی ابتدائی شاعری میں جلوہ گر ہوتا ہے، جس طرح وہ انسان کو موت کے سامنے بے بس اور لاچار سمجھتے ہیں۔ اس طرح وہ موت کو قابلِ عبرت کہہ کر اس کو عالم گیر آئینِ فنا قرار دیتے ہیں۔ اقبال کا خیال ہے کہ کائنات کے اندر ہر لحظہ تبدیلی آ رہی ہے اور تغیر و تبدل کے تحت نئی تخلیق ہو رہی ہے لیکن اس میں تکرار کی بُو نہیں ہوتی۔ اقبال کو حرکت کا شاعر کہا جاتا ہے، لہٰذا اُس نے فلسفۂ فنا کو بھی اس حرکی فلسفے کے لیے استعمال کیا ہے۔ وہ مقصدِ حیات سے غفلت کو موت سمجھتے ہیں وہ جمود زدہ اور بے مقصد زندگی کو قابلِ اعتنا نہیں جانتے۔ اقبال بعد فنا، بقا کے قائل نظر آتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ انسان فنا ہو جاتا ہے لیکن اس کے کارنامے، کردار اور عمل بطورِ یادگار رہ کر اُسے بقا سے نوازتے ہیں:

تم بتا دو راز جو اُس گنبدِ گرداں میں ہے

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

موت اِک چبھتا ہوا کانٹا دلِ انسان میں ہے [35]

موت ہر شاہ و گدا کے خوف کی تعبیر ہے
اس ستم گر کا ستم انصاف کی تصویر ہے [36]

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جُدا ہوتے نہیں [37]

موت تجدیدِ مزاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اِک پیغام ہے [38]

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات، کشمکشِ انقلاب [39]

اوّل و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقشِ کہن ہو کہ نَو، منزلِ آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خُدا نے تمام [40]

بیسویں صدی کے بدلتے ہوئے حالات و واقعات میں شعرا کا زندگی کے لیے کسی ایک نقطۂ نظر کی تلاش ایک اہم مسئلہ رہی ہے۔ امت مسلمہ کے احیا کی بحالی کے ساتھ ساتھ زندگی کے کئی دوسرے مسائل پر توجہ دی جانے لگی، اس عہد میں شعرا نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا اور اس میں نت نئی تبدیلیوں کو قبول کرتے ہوئے زندگی کیسی ہونی چاہیے پر بھی غور خوض کیا۔ اقبال کے بعد اردو شاعری میں موت و فنا کو نئے زاویہ نگاہ سے دیکھا گیا۔ فانیؔ نے داخلی کرب کے زیر اثر ذاتی بے چارگی اور ماحول کی تلخیوں کو ملا کر مرگ و حیات کی فلسفیانہ اساس کو اجاگر کیا۔ فراقؔ نے ذاتی الجھنوں اور گھریلو تلخیوں کو فلسفۂ موت و فنا کے پردے میں پیش کیا۔ مجید امجدؔ، شکیب جلالیؔ، جون ایلیاؔ جیسے شعرا نے موت و فنا کے موضوع کی شاعرانہ رنگ میں عکاسی کی۔ ان شعرا میں زیادہ تر مغربی فلسفے سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے ہاں ہائیڈیگر، کیئرکیگارڈ، شوپنہار اور فرائیڈ کے خیالات کی عکاسی ملتی ہے۔ تقسیمِ ہند کے بعد فرد کے ذاتی مسائل اور اجتماعی معاملات نے شعرا کو بھی متاثر کیا۔ مشینی اور صنعتی دور کے شعرا کے اندر احساسِ فنا نے جنم لیا اور خواہشِ مرگ کی آرزو ابھرنے لگی۔ یہاں تک کہ کچھ شعرا کے ہاں خواہشِ مرگ ایک نفسیاتی مسئلہ بن گیا:

ہر نفسِ عمر گزشتہ کی ہے میّت فانیؔ
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا [41]

تعمیرِ آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق
جب ہم نے کوئی شاخِ چُنی شاخ جل گئی [42]

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

جسے سب اہلِ جہاں زندگی سمجھتے ہیں
کبھی کبھی تو ملے ایسی زندگی سے نجات [43]

اتنے رنگوں میں یہ گلاب کے پھول
اتنے رنگوں میں موت کا یہ خیال [44]

فصیلِ جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدودِ وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی [45]

تُو نے کہا نہ تھا کہ میں کشتی پہ بوجھ ہوں
آنکھوں کو اب نہ ڈھانپ مجھے ڈوبتے بھی دیکھ [46]

تاریخِ روزگارِ فنا لکھ رہا ہوں میں
دیباچہ وجود پہ لا لکھ رہا ہوں میں [47]

اردو شاعری میں موت کے حوالے سے زندگی کی فناپذیری اور دنیا کی بے ثباتی پر ابتدا سے زور دیتے ہوئے اخلاقی درس دیا جاتا رہا ہے۔ میرؔ اور سوداؔ کا دور اس تصور سے وابستہ تھا۔ غالبؔ نے مروجہ شعری روایت سے بلند ہو کر موت و فنا کے حوالے سے فلسفیانہ ژرف بینی سے کام لیا۔ اقبال نے بھی موت کو روایتی اسلوب میں قلم بند کرنے کے بجائے موت کو فلسفیانہ تصور میں تبدیل کر دیا۔ اقبالؔ کے بعد موت کا مریضانہ قسم کا رویہ اردو شاعری میں جاری رہا، جس کے نتیجے میں یا تو خود ان کے اندر موت کی خواہش نے جنم لیا، یا نا امیدی اور مایوسی کی حالت میں وہ زندگی سے کٹ کر موت کی تمنا کرنے لگے۔

حوالہ جات

1 ڈاکٹر نعیم احمد، اقبال کا تصور بقائے دوام، اقبال اکادمی، لاہور 2022ء، ص 51
2 خالد الماس، فرائیڈ اور اقبال کے نظریاتِ شخصیت کا تقابلی مطالعہ، اقبال اکادمی پاکستان، 2022ء، ص 271
3 ڈاکٹر سعد اللہ کلیم، اردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں (جلد سوم) الوقار پبلی کیشنز، لاہور، 2015ء، ص 1104
4 محمد ادریس صدیقی، "وادیٔ سندھ کی تہذیب"، مکتبہ نیا راہی، کراچی، 1959ء، ص 168
5 حسن شوقی، دیوانِ حسن شوقی، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، انجمن ترقی اردو، کراچی، 1971ء، ص 142
6 ملّا نصرتی، کلاسیکی اردو شاعری کی تنقید، مرتبہ: طارق سعید، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1991ء، ص 44
7 غواصی، کلیاتِ غواصی۔ ادارۂ ادب و تحقیق، الہ آباد، 1957ء، ص 127
8 ایضاً، ص 220
9 ڈاکٹر وزیر آغا، "ادب اور اخلاقیات"، مشمولہ وزیر آغا کے تنقیدی مضامین، مکتبہ عالیہ، لاہور، 1995ء، ص 232
10 کلیاتِ ولی، مرتبہ: نور الحسن ہاشمی، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، 1994ء، ص 247
11 کلیاتِ سراج، مرتبہ: پروفیسر عبد القادر سروری، قومی کونسل برائے اردو، دہلی، 1998ء، ص 288

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

12 کلیاتِ سودا(غزلیات)، مرتبہ: شمس الدین صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1992ء، ص407
13 دیوانِ درد، مرتبہ: خلیل الرحمن داود زئی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1998ء ص213
14 کلیاتِ میرؔ (دیوان دوم)، میر تقی میرؔ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2005ء، ص324
15 ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو (جلد دوم)، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2013ء، ص527
16 ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008ء، ص191
17 کلیاتِ سودا(غزلیات)، مرتبہ: شمس الدین صدیقی، ص214
18 دیوانِ درد، مرتبہ: خلیل الرحمن داود زئی، ص272
19 کلیاتِ میرؔ (دیوان اول)، میر تقی میرؔ، ص72
20 کلیات نظیر اکبر آبادی، مرتبہ: پروفیسر صادق زاہد، دار الشعور، لاہور، 2012ء، ص182
21 کلیات مصحفیؔ (دیوان چہارم)، مرتبہ: نور الحسن ہاشمی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1968ء، ص342
22 ڈاکٹر نفیس اقبال، اردو شاعری میں تصوف (میرؔ، سوداؔ اور درد کے عہد میں)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2007ء، ص179
23 ڈاکٹر نفیس اقبال، تصوف اور ادب کا باہمی رشتہ، پاکستان رائٹرز کوا پریٹیو سوسائٹی، لاہور، 2023ء، ص14
24 ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر، ص256
25 کلیات ذوق، مرتبہ: رانا خضر سلطان، بک ٹاک، لاہور، 2012ء، ص377
26 ایضاً، ص207
27 بہادر شاہ ظفر، کلیات ظفر (دیوان دوم)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2000ء، ص468
28 اسد اللہ خان غالبؔ، دیوانِ غالبؔ، مدونہ: حامد علی خان، الفیصل، لاہور، 1995ء، ص39
29 ایضاً، ص9
30 ایضاً، ص63
31 کلیاتِ اکبر، مرتبہ: رانا خضر سلطان، بک ٹاک، لاہور، 2012ء، ص109
32 ایضاً، ص207
33 الطاف حسین حالیؔ، کلیاتِ حالیؔ، بک کارنر، جہلم، س ن، ص409
34 ایضاً، ص270
35 علامہ قبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، الفیصل، لاہور، 2016ء، ص140
36 ایضاً، ص93
37 ایضاً، ص237
38 ایضاً، ص332
39 ایضاً، ص106
40 ایضاً، ص249
41 کلیاتِ فانیؔ، مرتبہ: ڈاکٹر سلیم اختر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2007ء، ص120
42 ایضاً، ص227
43 فراقؔ گورکھپوری، شعلہ ساز (انتخاب)، مکتبہ عالیہ، لاہور، س ن، ص84
44 کلیاتِ مجید امجد، مرتبہ: خواجہ محمد زکریا، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2018ء، ص146

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

45 شکیب جلالی، کلیاتِ شکیب جلالیؔ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2011ء، ص74

46 ایضاً، ص329

47 جون ایلیا، شاید، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2022ء، ص192